احسان الرحمٰن عثمانی

دارالعلوم حقانیہ اور ردِ قادیانیت
(موتمر المصنفین کی ایک نئی کاوش)

زیرنظر کتاب ام المدارس، دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے تقریباً پون صدی پر مشتمل عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور ردقادیانیت کے حوالے سے کام کی نوعیت کا ایک انڈکس اوراشاریہ ہے، جسے جامعہ کے رئیس ومہتمم قائد جمعیت حضرت شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ کی ذاتی ڈائری اور ماہنامہ الحق کے منتشر صفحات سے یکجا کرکے ادارہ مؤتمر المصنفین کے زیراہتمام وانصرام رفقاء جماعت نے منصۂ شہود پر لایا۔اس علمی کاوش اورمہتم بالشان کام پرادارہ صدبار ہدیہ تبریک کا مستحق ہے اللھم زد فزد.

یہ مساعی آج کے حالات کے حوالے سے نہ صرف قابل رشک ہیں بلکہ قابل تقلید ہیں کیونکہ موجودہ پُرفتن دور میں جہاں دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو اُن کے مذہبی معتقدات اورتعلیمات سے بے گانہ رکھنے کی طرح طرح تدابیر اختیار کرچکے ہیں۔ وہاں ان کوعقیدہ اورنظریہ کی درستگی کا انتظام بھی ارباب علم ودانش کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔اس لحاظ سے اس قسم کی سرگرمیاں حالات کا عین تقاضا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں دیوبندثانی کے نام سے موسوم عظیم علمی اوردینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم حقانیہ'' اپنی خدمات جلیلہ کے باعث آج نہ صرف صوبہ خیبرپختونخوا بلکہ ملکی اورعالمی سطح پر کئی مدارس ومعاہددینیہ اورملی تحریکات کے ساتھ ساتھ مشاہیراہل علم کے لیے ایک ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔جس طرح دارالعلوم دیوبند ہند نے دین اسلام کے تمام شعبوں کو آباد کررکھا تھاایساہی بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے گلشن حقانیہ نے بھی ملک وملت میں تمام ترشعبوں کی نہ صرف دیکھ بھال کی بلکہ اس کی آبیاری کرکے اسے تن آوردرخت میں تبدیل کیا۔آج وہی پودے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کی عملی تصویرپیش کررہاہے۔حضرت شیخ رحمہ اللہ نے دارالعلوم کی بنیاد ایک ایسے وقت میں رکھی کہ جہاں حالات کی ناموافق فضا، وسائل وافراد کی کمیابی کے اعتبار سے اگراس سرزمین کو وادی غیر ذی زرع سے تعبیر کی جائے تو بے جانہ ہوگا۔مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شبانہ روزمحنتوں ،خلوص وللّٰہیت اور بارگاہ الٰہی میں تضرع والتجانے اُس ادارے کورفتہ رفتہ أفئدة للناس کا مصداق بنا کرلوگوں کے قلب ودماغ کواس کی طرف پھیر دیا، چنانچہ دارالعلوم کے ماحول کو روزِ اول سے ایسی شخصیات نے رونق بخشی جواپنے علم وفضل

اورللّٰہیت وتقویٰ کے لحاظ سے اساطین معرفت کہلائے جاتے تھے۔ اوروہی بات جودارلعلوم دیوبند کے بارے میں کہی گئی تھی کہ شیخ الحدیث سے لے کر چوکیدارتک سب صاحب نسبت ہوا کرتے تھے۔تقریباًوہی کیفیت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے گلشن میں اساتذہ کرام کے گلدستہ اورانتظامیہ کی رہی۔

2013ء میں حضرت والدمکرم مدظلہ جب دارالعلوم دیوبند کے سفر سے واپس ہوئے ،تواولین فرصت میں پہلاتاثر یہ پیش کیا کہ میں دارالعلوم کی درس گاہوں میں مختلف اساتذہ کرام کے درس میں شریک ہوااوردارالعلوم کے مختلف احاطوں میں گھوما پھرا،میں نے اس دوران وہاں کی درودیوار سے اپنائیت اورانس کااحساس کیا،عالم تفکر میں سوچتارہا کہ میں تو پہلی باریہاں آیاہوں،پھر یہ کیفیت کیسی رہی؟دل نے جواب دیا؛ارے تم تو دارالعلوم حقانیہ میں پڑھ کرآئے ہو۔مجھے اُس وقت یہ احساس ہوا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے کیسی عجیب منصوبہ بندی سے اپنے ادارے کی بنیادمیں مادرعلمی کا نقشہ برابرکارکھاہے۔آپ نے نہ صرف نصاب ودرجہ بندی اورنظم ونسق میں اس کالحاظ رکھا بلکہ تعمیراورظاہری رنگ وروغن میں بھی دارالعلوم کی تقلیدکوضروری قراردیا۔ابتدائی دورمیں حضرت جب اس کا آغاز فرمارہے تھےتو کچھ بزرگوں کا کہنا تھا کہ مولانا ہوامیں اڈے تعمیر کررہے ہیں،کیونکہ یہ حالات کسی ادارے کی تعمیروترقی کیلئے سازگارنہیں،مگر وقت نے ثابت کردیا کہ واقعتاًوہ ادارہ آفاقی بن کرآج دنیا کے کونے کونے میں اپناجال بچھاچکاہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ بحربے کراں ہے کہ گوبظاہروہاں عمارت کی خستہ حالی،پراناپن نیزاس کی شکستہ درس گاہوں کے حوالے سے نظم وضبط میں کمی کااحساس ہوگا،ساتھ ہی موجودہ تعمیرات کےفن کے حوالے سے کوئی معنی خیزفن کاری کاکوئی گوشہ بھی دیکھنے کونہیں ملے گامگر بایں ہمہ یہاں کی گلی گلی اوراینٹ اینٹ اہل اللہ کی عظمت کی نشانی پیش کررہی ہے،اورجس پرہم جیسے عشاق کے لیےفخروسعادت کابیشترسامان ہےاورایک لحاظ سے یہ اس سمندر کی مانند ہے جواپنی وسعت ظرفی اورکھلا پن کے باعث کسی قسم کی بدنظمیوں سے اپنی طہارت کی صفت کومتاثرنہیں کربیٹھتا۔میرے خیال میں ہم اپنے مادرعلمی کی اس جیسے سمندر کے اعلیٰ اورارفع مقام میں مشاہدہ کررہے ہیں..... پوشیدہ یہیں ہے اسرارِخودی

بانی جامعہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی صحبت میں پھلنے بڑھنے ،آپ سے فیض یافتہ اورخوشہ چین ہونے کے باعث اپنی ذات کوصرف منصب تدریس تک محدودنہیں رکھابلکہ مدنی ذوق اپناتے ہوئے درس وتدریس ،اہتمام وانصرام ،عوامی محافل میں شرکت ، قرب وجوار کے احباب کے دکھ سکھ میں برابر کاحصہ دار،اورساتھ ہی معاشرہ میں رواں سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔معاشرہ میں گھل مل رہنے کے باعث وقتی تقاضوں کے مطابق دین کا جوشعبہ یاجوخدمت

ضروری اورفوری نوعیت کی ہوتی آپ اس کے لیے کمر کس کر توکل علی اللہ کے ہتھیار سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ آج افغانستان میں روس جیسے سپر پاور کے زوال کی کہانی ہو یا پھر افغان طالبان کا برسراقتدار رہ کر امارت اسلامیہ کے قیام کا نمونہ تو یہ سب کچھ حضرت شیخ کے تلامذہ کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں کفریہ طاقت کو للکار کر اسے انجام بد تک پہنچایا۔ ملک کے اندر آئین سازی میں نہ صرف تجاویز کی حد تک اکتفا کیا بلکہ ایوان پہنچ کر عملی جدوجہد میں حصہ ڈال کر پاکستان کے آئین اوردستور کو قرارد مقاصد اور ملک کی نظریاتی شناخت کے مطابق ترتیب دینے میں تادم آخیر اپنی توانائیاں صرف کیں۔ ملک میں جاری وقتاً فوقتاً بدنظمی یا پھر ہمہ جہت تحریکات میں حصہ لے کر دین ومذہب کے حوالے سے اپنا ایمانی جذبہ پیش کیا۔ تب ہی تو آج ہم ان کے گلشن کی تروتازگی اور رعنائی کے ہر گملے، گلدستے ،شاخ اور ہر درخت میں بانی جامعہ کی جھلک دیکھ رہے ہیں۔ آج اگر ایک طرف خود ان کے جانشین حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر ہمہ جہت شعبوں کی مالیاری میں مصروف عمل ہیں تو ساتھ ہی حضرت شیخ کی دعاؤں کی طفیل جامعہ سے وابستہ فضلاء کی جماعت بھی مسلسل متنوع انقلابات میں صفِ اول کے سپاہی بنے ہوئے ہیں۔حضرت والد مکرم مدظلہ کے کہنے کے مطابق حضرت شیخ رحمہ اللہ ہمیشہ دعاؤں کی فہرست میں یہ دعا نہایت اہتمام کے ساتھ فرماتے کہ اے اللہ! جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے تمام سابقہ،موجودہ اور آئندہ آنے والے فضلاء کو دینِ اسلام کی خدمت کے لیے قبول فرما، یہ دعا حضرت شیخ نہایت دردمندانہ لہجے اور تضرع کی ایسی کیفیت میں اہتمام کیساتھ فرماتے تھے کہ دل اس کی قبولیت کی گواہی دیتا۔عموماً اس قسم کے اہم مواقع میں آپ اپنی ذریت اوراولاد پر ابنائے جامعہ کو مقدم رکھتے ،آج انہی دعاؤں کی برکت سے ہم بزم کمال کی سرسبز وشادابی کا نظارہ کررہے ہیں، مجھے دارلعلوم حقانیہ کے فضلاء میں یہ عجیب مظہر دیکھنے کوئی بار محسوس ہوا کہ خالق ربانی نے جس انسان میں جوصلاحیتیں اور جواہر ودیعت رکھے ہیں ،حضرت شیخ اوران کے جانشین حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب نے ان کو بروقت بھانپ کر اسے جلا بخشنے کا مناسب ماحول فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا اور نہ ہی اس میں بخل سے کام لیا،نہایت دریادلی ،فراخی اوروسعت ظرفی کے انداز میں اس قسم کے باصلاحیت افراد کو اپنے قریب کرکے اسے بام عروج تک پہنچایا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک ادارے میں طلبہ کی صلاحیتوں کا اگر بروقت انتظام کیا جائے تو وہ مستقبل میں جا کر ادارے کے بہتر ترجمان ثابت ہوسکتے ہیں، ورنہ وہ صلاحیتیں ماند بھی پڑسکتی ہیں۔

.....

1947ء میں جب دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت شیخ نے درس وتدریس کے مشغلہ کے

ساتھ ساتھ اُس وقت کے حالات کے حوالے سے فتنوں پر کڑی نگاہ رکھی۔ انگریز سامراج نے مسلم معاشرہ میں جس نئے فتنے کی قادیانی شکل میں بنیاد رکھی تھی، اور جس سے وہ گویا مسلمانوں کے دلوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جیسی عظیم عبادت کے جذبے اور سب سے بڑھ کر جس تصور کو وہ مسلمانوں کے قلب ودماغ سے ختم کرنا چاہتے تھے، وہ اسلام کی ابدیت اور عالمگیریت کی خصوصیت ہے۔ کوئی شک نہیں کہ تعلیمات نبوی زمان ومکان اور تا قیامت بغیر کسی تغیر وتبدل اور ترمیم واضافہ کے مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کو کیسے یرغمال بنایا جائے؟ کیسے اس شیرازے کو بکھیر کر مسلم معاشرہ میں ایک نئے فتنے کی تخم ریزی کی جائے، جس کے لیے انہوں نے ضرورت کی یہ کہانی بھی گھڑلی کہ جس طرح انسانی ضروریات اور حاجات اور معاشرتی تقاضے، حالات وشخصیات اور عباد وبلاد کے اعتبار سے تغیرات کے شکار سے بچ نہیں سکتا، ایسا ہی تعلیمات نبوی اور اسلامی احکام میں بھی ظروف کے تغیر کے اعتبار سے ہر کسے کی رائے زنی کو جگہ ملنی چاہیے، اور یوں گویا وہ مسلمانوں کو اس عقیدہ میں موردالزام ٹھہرا رہے ہیں، کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے باب میں آخری اور فائنل اتھارٹی قرار دیا جائے، تو معاشرتی ترقی رک جائے گی، اور دنیا جہاں کے نت نئے انقلابات سے ہم نابلد اور پسماندہ رہ جائیں گے۔ اس تصور کو لے کر انہوں نے قادیانی فتنے کی تیاری مغربی دنیا کے اس ماحول میں کی جہاں ان کو سب سے پہلے اسلامی تعلیمات سے آگاہ رکھا گیا، اور قرآن وسنت کی ضروری یاداشتیں دینے کے بعد ایک نئے فتنے کی داغ بیل ڈالنے کیلئے اسے مسلم معاشرہ میں بھیجا گیا۔ اور خاکم بدہن اگر وہ اس زہریلے جراثیم پھیلانے میں کامیابی پاجاتے تو مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ زیرآب ہوتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس موقع پر علمائے دیوبند نے اس کی سرکوبی میں جان ومال کی قربانیاں دے کر اس عظیم فتنے کے آگے ہر اعتبار سے حصار بنادیا۔ اور خود اپنے سینوں کا نذرانہ پیش کر کے سدذی القرنین ثابت ہوئے، آج انہی کی بدولت مسلمانوں میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے سر مٹنے کا جذبہ محفوظ ہے۔ اس مشن کے حوالے سے حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ جملہ نہایت معنی خیز اور حوصلہ بخشنے کا باعث ہے کہ احادیث نبوی کی تدریس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی خدمت ہے، مگر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے براہ راست وابستہ مسئلہ ہے۔ جس میں معمولی دورانیہ کی خدمت بھی آپ کے قرب اور شفاعت کا باعث ہوگا۔

ردِ قادنیت کے پروگرام میں اساسی کام کرنے والوں کی فہرست میں برصغیر پاک وہند کے حضرت شاہ صاحب، حضرت پیر مہر علی شاہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا

محمد شریف جالندھری ،شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ،محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ ،مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود جیسی نامی گرامی شخصیات ہیں۔1951ء میں حضرت شاہ جیؒ نے دارالعلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی سے خطاب کے دوران عقیدہ ختم نبوت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہرزاویہ سے اس کی وضاحتیں اورزہریلے فتنے کی تعاقب کے لیے لائحہ عمل ،طریقہ کار اوراپنے مشاہدات وتجربات کو حاضرینِ مجلس کے سامنے رکھا، جس کی پوری روئیداد کتاب ہذا کا مستقل حصہ ہے۔آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سفروحضر ،خلوت وجلوت اور جلسے جلوسوں کی تقاریر کا موضوع بس یہی بنایا کہ جہاں گئے توایمانی جرأت وحمیت کے ساتھ اس فتنے کوللکارا،اور مسلمانوں میں اس کے تحفظ کے لیے مرمٹنے کے جذبہ کو بیدار کیا۔آپ فرماتے تھے کہ میں باقی تمام چیزیں آپ علماء سے سیکھوں گا،لیکن "اناخاتم النبین لانبی بعدی"میں لانبی بعدی تم لوگ مجھ سے سیکھ کر جاؤ۔پھر جس کے حوالے سے آپ اس میں نہایت دلچسپی کے نکتے مسلسل بتاتے چلتے۔

ردّ قادیانیت کے حوالے سے گوکہ 1953ء سے قبل مجلس احرار اسلام کے نام سے سروفرشان اسلام برابرمزاحمت میں مصروف تھے،مگر قیام پاکستان کے بعد منظّم شکل میں پاکستان کی سطح پر مجلس تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔جس کی سربراہی میں حضرت شاہ جیؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پیش پیش تھے۔حضرت شیخ الحدیثؒ نے اُس وقت ابتدائی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس عظیم مشن سے متعلق یوں فرمایا:

''مسئلہ ختم نبوت میں مسلمانوں اور قادیانیوں کا اختلاف شیعہ سنی کے مانند نہیں ، بلکہ یہ ایک ایسا اختلاف ہے جیسا کہ مسلمان اور مشرک میں ہوتا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا:''کہ آج تحریک ختم نبوت کے علم برداروں اور فدائین پر جو بے تحاشہ مظالم ڈھائے جارہے ہیں، اس سے آج حجاج بن یوسف ، بخت نصر ،فرعون اور نمرود کی یاد تازہ کی جارہی ہے۔

انہی دنوں میں مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ کے جیل جانے پر فرمایا:

''کہ ہمارے اسلاف اوراکابر بزرگوں نے اس سے سخت سخت تکالیف دین کی خاطر برداشت کیں، ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ حالت تھی کہ مکہ کے تیرہ برس ان پر ایسے گزرے کہ گاؤں سے نکلتے توان پر پتھروں کی بارش ہوتی ، اوروہ دین کی خاطر برداشت کرتے ،اب لوگ کمزوراورضعیف ہوگئے ،اس لیے مصائب اورابتلاء میں بھی کمی ہوئی اشدالناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل.

مجلس احرار اسلام اورمجلس تحفظ ختم نبوت کی جہد مسلسل اور شبانہ روز محنتوں بالخصوص 1953ء کے حوالے سے عظیم جانی شہادتوں کے ذریعے اس مسئلہ کی حفاظت کے لیے جان توڑ کوششیں جاری رکھیں، چلتے چلتے یہ آواز اور یہ قوت توانا بن گئی،اور7/ستمبر1974ء کو ایوانوں کی سطح پر یہ تمام تر محنتیں رنگ لائی

اور پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کو اس قسم کی بدبودار اور متعفن لوگوں سے پاک کرنے کا قانونی فیصلہ معرض وجود میں آیا۔ جس میں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کی صف سے الگ کیا گیا۔ یوں مغربی دنیا کی طویل محنتوں کو ایک واضح لگام دی گئی اور یہی وہ موقع تھا کہ عالم اسلام کے مشہور عالم دین شیخ ابوالحسن علی الندویؒ نے عربی شعر پیش کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ یہی تو وہ موقع ہے، جس کا مدتوں سے انتظار کیا جا رہا تھا، آج لوگوں کو اس دن کے حوالے سے اپنے نذرانے دینے چاہیے، آپ نے فرمایا:

ـ هذالذی کانت الایام منتظراً فلیوف للّٰہاقوام بمانذروا

کچھ مدت گزرنے کے بعد قادیانی جماعت کے اتحادی اقوام متحدہ ، امریکہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل وغیرہ قوتوں نے جب دجل اور فریب سے کام لیتے ہوئے، اسلام کی بنیادی اصطلاحات اور شعائر اسلام کا استعمال شروع کیا، جن میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت ، مسجد ، اذان واقامت وغیرہ وغیرہ۔ گویا وہ یوں چاہتے تھے کہ یہ اقلیتی جماعت بھی مسلمانوں میں گھل مل کر رہ سکے، مگر اللہ بھلا کرے محترم صدر ضیاء الحق کا جنہوں نے 1984ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے ذریعے اس سوراخ کو بھی بند کر دیا، اور دستور کی سطح پر فتنہ اپنی موت مرا۔ بحمدللہ یہ تمام تر کارروائیاں ملک کے قانون ساز اور باختیار طبقہ کی جانب سے ایسے انداز میں آئیں کہ جس کے ذریعے دنیائے اسلام کے سامنے مملکت پاکستان کی نظریاتی شناخت خوب نکھر کر آئی۔ اس موقع پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ تاریخ ساز فیصلہ اُس وقت کے برسراقتدار پارٹی کے باہمی تعاون سے ہی معرض وجود میں آیا۔ مگر یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس کی پشت بانی اور پشت پناہی میں جان کی بازی لگانے والوں میں علمائے دیوبند کی سرخیل جماعت شامل تھی۔ جس طرح قیام پاکستان میں علماء کی صف میں بعض دوسری قوتیں بھی تھیں مگر ان کو علماء کی معیت نے توانائی بخشی، یوں اس مسئلہ کی نوک پلک میں حساس پہلو، اثرات اور پیش قدمی کے اعتبار سے اگر علماء شریک کارواں نہ ہوتے ، تو شاید تعاقب کی یہ کیفیت سامنے نہ آتی۔

میری نگاہ میں یہ مملکت پاکستان کی خصوصیت ہے کہ جہاں سے اس عظیم فتنے کو علماء دیوبند کے ابناء واحفاد نے لگام دیا، اور اس کے بعد باقی اسلامی ملکوں میں اس کے مطابق قراردادیں اور قانون سازیاں کی گئیں۔ الحمدللہ علمائے کرام نے برصغیر پاک وہند کے چپہ چپہ، گلی گلی، چوراہوں اور دیہاتوں میں اس نظریہ کی پرچار کر کے مسلمانانِ وطن کو آگاہ کیا، کہ ایمان کے ان رہزنوں سے خود اور اپنے اہل وعیال کو بچا کر رکھیں۔ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ جب قادیانی جماعت کی سرگرمیاں قادیان میں تھیں، تو وہاں بھی علماء کی سرخیل نے اس کی تردید کے لیے دندان شکن انتظامات کیے تھے، مگر جب وہ قیام

پاکستان کے بعد ربوہ کے مقام منتقل ہوئے تو نہ صرف ربوہ کے حوالے سے قانونی کاروائیاں کی گئیں بلکہ ان کے دجل اور فریب سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اور جب صدر ضیاء کی آرڈیننس کے نتیجہ میں ان کی تمام تر سرگرمیاں اپنی اصل جائے قرار لندن کو پہنچی اور وہاں سے انہوں نے اپنی آواز کو توانا رکھنے کی کوشش کی تو حضرات علماے دیوبند کی جماعت نے وہاں پہنچ کر سیرت خاتم الانبیاء اور تحفظ ختم نبوت کے جلسے، کانفرنسز اور عمومی آگاہی کی مہم کو جلا بخشا۔ بقول اقبال.....

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اس موقع پر ممکن ہے کہ کوئی آزادی اظہار خیال یا پھر مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کا سہارا لیتے ہوئے ہم سے یہ شکوہ کناں ہو کہ آخر اس اقلیتی گروہ کے ساتھ تم اتنے سخت رویہ سے کیوں نمٹ رہے ہو؟ ان کے ساتھ باقی اقلیتوں جیسی رواداری کیوں نہیں کی جاسکتی ؟ ضمن میں لطیفے کے طور پر عرض کروں کہ حضرت والد مکرم مدظلہ نے ایک موقع پر فرمایا: ''مجھے کچھ تحریرات میں قادیانیوں کے حوالے سے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ وہ توحید کو بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں، حالانکہ کہنے والے کے حق میں یہ ان کے جہل اور بنیادی ارکان دین سے غفلت کی کتنی بڑی علامت ہے۔'' اصل میں غور کیا جائے تو باقی غیر مسلم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ کھلے عام اپنی تعلیمات کی پرچار کر رہے ہیں ،اور اس میں دجل وفریب یا پھر جدید دور کی اصطلاح میں سمجھانے کے طور پر کہا جائے کہ وہ لوگ دوسروں کے ٹریڈ مارک کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ خود اپنی شناخت کی بنیاد پر اپنا فریم ورک پیش کرتے ہیں۔ ایسے میں یہی ایک ملعون طبقہ ہے کہ جو مسلمانوں کے ٹریڈ مارک کو استعمال کر کے اپنے خبث باطن کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو جس طرح ایک شہری کے ذاتی ٹریڈ مارک کو دوسرے کے لیے استعمال کا کوئی قانونی اور عرفی جواز نہیں ،تو پھر دین اسلام اور ان کے پیروکاروں کے ٹریڈ مارک کو دوسرے فتنہ انگیز لوگ جعل سازی کے ساتھ کیسے استعمال کا حق رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں مغربی دنیا کے مفکرین اور ہیومن رائٹس کے علم برداروں کو مسئلے کا پس منظر اس حساس نگاہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

.....

پاکستان کی تاریخ میں علما اور اہل علم بالخصوص جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے کردار اور عمل سے عمومی آگاہی کے لیے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے نہایت بروقت اور برمحل اس حساس مسئلے کو اپنے نونہار فضلاء مولانا محمد اسرار مدنی اور مولانا انعام الرحمٰن سلمہما الرحمن کے ذریعے آج کی نئی نسل کو اس فتنے سے آگاہ رکھا۔ ماہنامہ الحق میں خود حضرت کی چشم کشا تحریرات اور تاریخی دستاویزات، نیز

حضرت شیخ مولانا عبدالحقؒ کی جابجا اسمبلی اور دیگر حساس مقامات پر فکر انگیز خطبوں کو یکجا کیا۔ اس موقع پر میں ایک بار پھر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت استاذ محترم کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضے اور موقع شناسی کا جوادراک ہے ، وہ شاید ہمارے علمی طبقہ میں بہت کم شخصیات کے حصہ میں ہو۔ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کی اس ترقی کے دور میں جب دیکھا گیا کہ نوجوانوں کی طبعی مزاج اور احساسات کا رجحان باطل نظریات کی طرف ایک سیلاب کی مانند بڑھ رہا ہے، جس کا خود اس کو کسی بھی طور پر احساس نہیں، وہ شاید ترقی کے نام ،عصری تقاضوں کی تلاش میں یا پھر عصری بین الاقوامی تعلیم گاہوں میں ڈگریوں کے حصول کی خواہش میں ایک ایسے ماحول سے سامنا کررہا ہے، کہ جہاں اس کی نظریاتی دنیا اور فکر ونظر سے کھیلا جارہا ہے، مگر اسے کچھ خبر نہیں ، بھلا ایسے موقع پر حضرت نے ان کو پاکستان کی تاریخ میں اس سیاہ فتنے سے آگاہ رکھنے اور مسلسل اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا عظیم ،علمی اور فکری ہدیہ پیش کیا۔

میرے خیال کے مطابق اس حساس مسئلے کو صرف جذبات کی حد تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ یہ مسلمانوں کی شہ رگ اور قلب ودماغ کی گردش کا مسئلہ ہے، جس سے وہ کسی طور پر غافل نہیں رہ سکتا۔ تاہم علماء اور اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ دین کی باقی تعلیمات سے آگاہی دینے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف بھی توجہ دیں، ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فرق ضالہ رنگ برنگ اور نت نئے ناموں کے ساتھ اپنے باطل نظریات کو جگہ دینے کے لیے مسلم معاشرہ میں برابر کا سفر کررہے ہیں، اور مزید آج کی میڈیا کی یلغار میں وہ سفر بہت حوالوں سے آسانی کا سبب بھی بن گیا ہے، عموماً وہ لوگ مزاج شناسی اور طبعی رجحانات کے مطابق اپنے مؤقف کو ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں، کہیں وہ مظلوم اور بے سہارا لوگوں کو امید کی کرن دے کر اپنے مذموم عزائم کو جگہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں وہ مسلم امہ کی ہمدردی یا دیگر پرفریب نعروں کا لبادہ اوڑھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔آج ہمارے وطن عزیز میں بعض حساس مناصب پر انہی کے ترجمان پہنچ کر خاموش انقلاب کے داعی بن چکے ہیں، مگر بقول کسے

؎ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم

تحریک ختم نبوت کے حوالے سے کام کی نوعیت صرف قانون سازی اور امتناع قادیانیت آرڈیننس یا پھر طرح طرح کے جلسے جلوسوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا، اس کی حساسیت کا بالکل ایسا عالم ہے جیسا کہ ماحولیاتی مسئلے کا ہے کہ جہاں انسانی معاشرے کو پرفضا ماحول اور صحت افزا ہوا خوری کے لیے ماحول کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، بالکل ایسا ہی اسلامی معاشرہ میں رہتے ہوئے نسل نو کے ایمان اور عقیدہ کے

تحفظ کے لیے ان ہتھکنڈوں کا برابر کا جائزہ لینا ہوگا۔ یہ جس طرح ماضی میں ذکری، بابی اور بھائی یا پھر قادیانی اور امریکی نبی ایل چی محمد وغیرہ کے بارے میں کام کر چکے ہیں، ایسا ہی وہ اس کو تسلسل دینے پر اتر آئے ہیں، اس لیے ہمیں ان متنوع فتنوں کے حوالے سے عمومی وعظ ونصیحت کی محافل اور اسی طرح دیگر ابلاغ کے ذرائع سے معاشرے کے ساتھ برابر کا واسطہ اور تعلق رکھنا ہوگا۔ یہی وابستگی ان کو کسی بھی فتنے سے نمٹنے کے لیے تازہ دم رکھے گی۔ مزید تعلیمی اداروں میں اس موضوع کو بطور نصاب لے کر ہمیں بچے کی شعوری دور سے یہی رجحان رکھنے کا انتظام کرنا ہوگا کہ ضروریاتِ دین سے متعلق اسے مکمل آگاہی مل سکے۔ ساتھ ہی نوجوان طبقے کو اس موضوع کی اہمیت کے ناطے قدیم وجدید تاریخی کارناموں سے وابستہ تحریرات کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔

ان تمام جہات کی اہمیت کے اعتبار سے حضرت استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی یہ نئی کاوش ہمارے لیے نئی راہوں میں بہتر رہبری کا سامان مہیا کر رہا ہے۔ حضرت نے اپنی کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کر کے ردقادیانیت کے باب میں دارالعلوم حقانیہ کے فورم سے جو صدا بلند ہوئی ہے، ان کو ترتیب وار سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

باب اول میں تحریکِ ختم نبوت کی ابتدائی کہانی 1951ء تا 1953ء حالات وواقعات اور اُس وقت پیش آمدہ ظروف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب دوم میں تحریک ختم نبوت 1971ء جس میں قادیانیوں کی بنگلہ دیش کے لیے بھارتی پالیسی کی حمایت اور دیگر در پردہ حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب سوم میں تحریک ختم نبوت 1972ء تا 1974ء جس میں مسلمان کی تعریف اور اس پر ارکان اسمبلی کے تبصرے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے موقف کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قادیانیوں کے خلاف پارلیمانی جدوجہد، حضرت شیخ کی اسمبلی میں چشم کشا خطابات، 1974ء میں اسمبلی میں اقلیتی قرارداد، قومی اسمبلی کا تاریخ ساز فیصلہ، تاریخی فیصلے پر مولانا سمیع الحق صاحب کا نذرانہ عقیدت اور عالمی اثرات وغیرہ وغیرہ اہم موضوعات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

باب چہارم میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنے اچھوتے طبعی ذوق کے بنا پر قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلہ کے موقع پر مشاہیر عالم اسلام کی خدمت میں ایک سوال نامہ ترتیب دیا ہے جس میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے، کہ آپ کی نظر میں اس فیصلے کے حوالے سے کیا جذبات ہیں؟ نیز آئندہ کے حوالے سے اس میں مزید کام کی نوعیت اور لائحہ عمل کا تعین کیسے ہوگا؟ مستقبل میں قومی اور عالمی حالات کی

روشنی میں اس فیصلے کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ سوالات کیے گئے ہیں۔ مشاہیر اہلِ علم میں اس وقت کے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ،حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب ، علامہ ظفر احمد عثمانی، محدث العصر مولانا سید یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مفتی محمد شفیع، علامہ شمس الحق افغانی ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور شیخ ابوالحسن علی الندویؒ کے تجزیے، تبصرے، اور لائحہ عمل کے حوالے سے جو عالمانہ اور فاضلانہ خطوط کھینچے ہیں، وہ نہایت دلچسپی اور علمی مطالعہ کی وسعت کا باعث ہیں۔

باب پنجم میں وفاقی مجلس شوریٰ اور سینٹ میں تعاقب جس کے ذیل میں واضح کیا گیا ہے کہ اس اہم موضوع کو نصابِ تعلیم میں جگہ دی جائے، ساتھ ہی امتناع قادیانیت آرڈیننس 1984ء کا مکمل متن علاوہ ازیں حضرت استاذ محترم کا اس موضوع پر 38 سال مسلسل ایوان بالا اور عوامی تحریکات میں بے باک تجزیے اور اس پر اہل علم و قلم کی خراج تحسین کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

باب ششم میں منبر حقانیہ سے دفاع ختم نبوت پر جن اربابِ علم و دانش اور اصحابِ علم و فضل نے دارالعلوم کے منبر و محراب کو رونق بخش کر اس حساس موضوع پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے حضرت مدظلہ نے اس کو ضبطِ تحریر میں لاکر آج ان لوگوں کو بھی اس محفل میں شریک کر رکھا ہے ، جو شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ موصوف نے یہ عظیم محنت ایک ایسے زمانے میں کی کہ جہاں ریکارڈنگ کے لیے کوئی موزون انتظام بھی نہیں تھا، مگر یہ ان کی بے چینی رہتی کہ کوئی شخصیت جامعہ تشریف لائے اور ان کے فرمودات کو جامۂ تحریر میں پیش نہ کیا جائے۔ اس قسم کی تڑپ کا احساس ہمیں آپ کی کتاب ''خطابات مشاہیر'' کے سینکڑوں صفحات میں مسلسل دکھائی دے رہی ہے۔

باب ہشتم میں ردقادیانیت اور ماہنامہ الحق کے ذیل میں پون صدی پر مشتمل اس ملی اور عالمگیر تحریک کے حوالے سے چشم کشا حقائق ،مشاہداتی واقعات اور چشم دید حالات سے لبریز جو نقوش ثبت کیے ہیں ،ان کو مستقل باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ماہنامہ الحق کے بیشتر صفحات میں حضرت نے اس موضوع سے متعلقہ رونما ہونے والے واقعات کی تشخیص ،اسباب اور اس کے اثرات نیز اس سے نمٹنے کے لیے جو تدابیر اور لائحہ عمل طے کیا ہے وہ خاصی دلچسپی کا باعث ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کو اس حوالے سے بھی ایک اعزاز حاصل ہے کہ جہاں ایک ایسے وقت میں مجلّہ اور مؤتمر المصنفین کی بنیاد رکھی گئی کہ عموماً اس صوبے کے اہل علم اس قسم کی سرگرمیوں سے آشنا نہیں تھے۔ اس میں بھی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے بچپن سے رواں ڈائری کے حسین ذوق کا بڑا کردار رہا۔ آپ نے اس فورم سے ہمیشہ کے لیے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ کی تصویر بن کر فرق ضالہ کے کامیاب تعاقب کے نقوش کھینچے اور اس وقت تک آپ نے سکھ کا سانس نہیں لیا، جب تک مدمقابل کے خبث باطن کو آشکارا نہیں کیا۔ آپ نے قلم اور نقوش کے عظیم جہاد سے دنیا کے کونے کونے

تک اپنا پیغام پہنچایا۔اپنے دلی جذبات سے دوسرے کو آگاہ رکھا،اور اپنی آراء کا دوسروں سے تبادلے کے عمل کو بھی جلا بخشا، مسلسل آپ اس حوالے سے تاہنوز متفکر دکھائی دے رہے ہیں۔غور کیا جائے تو گزشتہ صدی میں جہاں رابطے کے سلسلے میں سب سے اہم ترین ذریعہ یہی خط وکتابت اور تحریری نقوش ہوا کرتے تھے،آپ نے اس کا نہایت دلیرانہ انداز میں استعمال کر کے ہر قسم کی صعوبتوں کو گلے لگایا۔آج اگر ماہنامہ الحق کو کئی اہم مجلّات کی فہرست میں پیش رو کی حیثیت سے ایک مقام حاصل ہے،تو اس کے پس منظر میں حضرت مدظلہ کی شبانہ روز بے قراریاں،وسائل کی عدم دستیابی اور صبر آزما مراحل بھی خود مستقل ایک تاریخ اور ہم جیسے نو واردین کے لیے مستقل عبرت کے درس پیش کر رہا ہے۔آج مسلسل پون صدی سے زیادہ کا عرصہ گلشن حقانیہ سے ماہنامہ الحق کے ذریعے حق بات کو حق طریقے سے ملک وملت کو پہنچانے کا عظیم جہاد جاری ہے۔ہمیں بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے مشن کو ان کی زندگی میں ان کے صاحبزادگان نے سنبھال کر گزشتہ کافی عرصہ سے ماہنامہ الحق کے پیغام کو معاشرے تک پہنچانے کا بخوبی کردار ادا کر رہے ہیں۔میں بطور خاص الحق کے حوالے سے برادر مکرم مولانا راشد الحق صاحب اور مولانا حامد الحق صاحب کا تذکرہ ضروری سمجھوں گا، کہ جو حضرت والد مکرم اور حضرت دادا جان کی فکر کو لے کر ہمیشہ پُرعزم رہتے ہیں۔اول الذکر نے ماہنامہ الحق کے رتبے،مقام اور منزلت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے مزید توانا رکھ کر نئی جہات سے اس میں کام کی سبیلیں تخلیق کیں۔رب کائنات گلشن حقانیہ کی تروتازگی اور رعنائی کو تا قیامت ہر قسم کے زوال سے محفوظ فرمائے۔

ادارہ مؤتمر المصنفین کی دیگر تالیفات جن میں بالخصوص فتاویٰ حقانیہ کی کمپیوٹرائز اشاعت، دعوات حق کی جدید شکل نئے اضافوں کے ساتھ حالاً منصۂ شہود پر آنے سے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔مزید آئندہ کی مطبوعات میں بالخصوص حضرت امام المفسرین مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ''تفسیری افادات'' کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب جس نہج پر مرتب کرنے جا رہے ہیں وہ اردو تفاسیر میں ایک معتد بہا اضافے کا باعث ہے، کیونکہ حضرت کی تفسیر پر اب تک کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا ہے۔ساتھ ہی چونکہ آپ براہ راست حضرت لاہوریؒ کے علمی افادات سے خوشہ چین رہ چکے ہیں،اس لحاظ سے بھی یہ مساعی نہایت متبرک معلوم ہوتی ہے اور قارئین اندازہ کریں کہ ایک باکمال استاذ کو جب باکمال شاگرد میسر آجائے تو وہ ان کے علمی افادات کی ترتیب اور سلیقہ مندی کا معیار کیسے رکھے گا۔مجھے بزرگوں کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ بڑے فخر کے ساتھ درس میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ نے ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ اپنے صاحبزادے کو ہمارے ہاں بھیجا ہے جو مستعد ہو کر ہمارے درس کو قلمبند کر رہا ہے۔ہم ناکارہ کی یہی تمنا ہے اور ماہ رمضان کے حوالے سے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا ہے،اے قادر مطلق! تو ہی اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کی توفیق کی سعادت حضرت استاذ محترم کو صحت وعافیت اور خیر وبرکت کے ساتھ عطا فرما۔امین